فرہنگ

ہتّی : کالونی/جھونپڑ پٹی علاقہ/ جہاں عام طور پر
دلت طبقے کے لوگ بستے ہیں

کل دیوتا : گھر کا دیوتا

اُپّٹ : روے سے بنائی گئی نمکین غذا

راگی : رائی جیسا اناج جس کے آٹے سے روٹی بناتے ہیں یا گرم پانی میں
ملا کر لیہی کی صورت استعمال کرتے ہیں

دُپٹی : چادر

وِبھوتی : مقدس راکھ جو ہندو پیشانی پر ملتے ہیں

یم دوت : فرشتۂ اجل

دُوت : فرشتہ/خادم

پرلوک : آسمانی دنیا

وردان : تحفہ

کاس : پرانا ہندوستانی سکّہ جو تقریباً پچاس سال پہلے رائج تھا

ماری امّا : دیوی جسے پرجلال مانا جاتا ہے

گوشۂ محمود بنگلوری

دیوتا سچا ہے تو اس کا مرغا چٹ کر جانے والوں کا گھر مٹی میں مل جائے۔ وہ کبھی کبھی بیٹھ جاتی اور فوراً انگلیاں چٹخا کر بددعا دینے لگتی۔ بیٹی سے یہ منظر دیکھا نہیں گیا۔

کیا کھوئی ہوئی چیز واپس آسکتی ہے اماں؟ ''چلو بھی، اندر چلو، اٹھو بھی اماں۔''

اس نے ساکوا کو سہارا دے کر اُوپر اٹھایا۔ ساکوا نے، ہاتھ جھڑا کر، پھر آنگن میں خاک اڑائی۔ اتنے میں چھوٹی بیٹی بھی آگئی۔ دونوں بہنوں نے ایک ایک ہاتھ پکڑ کر، ساکوا کو اُوپر اٹھایا اور اندر لے آئیں۔ ساکوا جب گھر لوٹی تو اس کا بدن دُھول سے اَٹا ہوا اور بوجھ سے جھکا ہوا تھا۔ وہ اسی حال میں بیٹھی رہی۔

بیٹی گورمتا نے مٹکے میں سے پانی نکال کر پلایا تو ساکوا کی جان میں جان آئی۔ اس نے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر آشیرواد دی۔

''بیٹی، تیرا پیٹ میں ٹھنڈک پڑے۔ تُو ہی میری سچی ہمدرد، میرا دکھ سکھ دیکھنے، سمجھنے والی، میرے مرتے دم تک میرا ساتھ دینے والی بچی ہے۔ میری ساری جائیداد، تیرے چھوٹے بیٹے کے نام کر کے ہی مروں گی۔ ماں کی یہ دُکھ بھری آواز سن کر چھوٹے بیٹے ستیا سے رہا نہ گیا۔ ماں کی درد بھری آواز رُک نہیں پا رہی تھی۔

'یہ کیا کہہ رہی ہو اماں۔ ستیا بیوی کے روکنے کے باوجود پوچھ بیٹھا۔ وہ لاغر بدن تھا۔ ہاتھ پاؤں پتلے، پر مضبوط تھے۔ لاولد بڑے بھائی کی جائیداد بھی ہڑپ کر جانے کی تاک میں بیٹھے ہوئے ستیا کے سینے میں 'ماں کی بات گولی کی طرح لگی۔ ستیا بارعب تھا، مگر بیوی کے سامنے کمزور و بزدل تھا۔ پھر بھی ماں کی زبانی جائیداد کی بات سُن کر 'ماں کے سامنے راکھشس کی طرح کھڑا ہوگیا۔ ساکوا کی دھندلی آنکھوں کو، ستیا' دیو ہیکل نظر آرہا تھا۔ کل سے، مرغی کی طرح ادھر ادھر بوکھلائی ہوئی پھرنے والی ساکوا کی زبان، گنگ سی ہوگئی۔ پھر سے پانی پی کر بیٹے کی طرف آنکھیں نکال کر بولی۔

''تُو کون ہوتا ہے پوچھنے والا''؟

''حقدار-!'' ستیا نے دوٹوک جواب دیا-

ساکوا قانون جانتی نہ تھی-

''کیا کہا تُو نے؟ حقدار؟'' ساکوا نے پوچھا۔'' میں نے عورت ہوتے ہوئے مردوں کی طرح لنگوٹ باندھ کر محنت مزدوری کی ہے۔ زمین کی حقدار میں..... جائیداد میری۔ میری اپنی کمائی کی..... سمجھا!''

ایک لمحے کے لئے ستیا کو یہ سب کچھ سچ لگا۔ اسے خوف ہونے لگا۔

'پھر میرے چاروں بچوں کو لاوارث بنا کر، تُو خود انہیں سڑک کا کر دے۔'' یہ کہہ کر ستیا نے اپنے چاروں بچوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر ماں کے سامنے ڈھکیل دیا اور جیسے فیصلے کا انتظار کرنے لگا۔

ستیا کی باتوں میں نرمی کے باوجود 'ساکوا' کا مزاج بگڑا ہوا تھا- اس کے جی میں آیا کہ وہ ایسا ہی کر گزرے۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ بیٹے کی بات کو بھلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا-

''مہمانی کرتا ہے؟ مہمان ہوتا تو اپنے حصّے کے گھر کی چھت پر کھپریل نہ ڈال لیتا؟ ناریل کی پتے اور گھاس پھوس ڈال رکھا ہے۔ پر میں نے تو پیٹ پر ٹھنڈا کپڑا کا کس کر یہ گھر بنایا ہے کہ تیری مریادا بنی رہے۔''

ستیا، لاجواب سا ہو کر پاؤں کے انگوٹھے سے زمین کُریدنے لگا۔ ساکوا، آنکھیں نچا نچا کر اور گھر کا کونا کونا دکھا کر ستیا کو بتاتی جا رہی تھی کہ اس نے اِس گھر کے لئے کیا کیا کیا ہے۔ ناریل کے پتوں کی وجہ سے چھت عجیب سی لگ رہی تھی۔ ٹوٹی ہوئی کھپریل کی جگہ نئی کھپریل کی سخت ضرورت تھی۔

''نئی کھپریل کا تُو نے پچھلے سال بھی وعدہ کیا' مگر کیا کیا؟'' ماں نے پوچھا۔

وقت، موسموں اور حالات کے تھپیڑے کھا کھا کر، اپنے مکینوں پر رحم کھانے والا مٹی کا یہ گھر لکڑی کے چار سوکھے تنوں پر ٹکا ہوا تھا۔ اب گرا کہ تب گرا..... چھت کو دیکھتے ہی اس کا دماغ ماؤف سا ہوگیا۔ ساکوا نے کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھ فرش پر تیزی سے پھیرتے ہوئے کہا۔'' ارے تُو نے گھر کی کیا حالت بنا رکھی ہے۔'' آواز دکھ بھری تھی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ بیٹے سے یہ منظر دیکھا نہ گیا۔

''تُو پھر میں کیا کروں اماں۔؟'' ستیا نے پوچھا۔

''جا۔ تالاب میں ڈوب مر۔'' ساکوا نے زمین پر تھوک کر کہا۔ ستیا کے پیٹ میں جیسے

آگ سی لگی تھی۔

"تجھ سے بات کرنے سے بہتر ہے کہ ہونٹ سی لوں۔"

اور ستیا اپنے گھر کے اندر جیسے ہی داخل ہوا، اس کی بیوی تیر کی طرح باہر آ گئی اور ساس کے ساتھ تُو تُو میں میں کرنے لگی۔۔ چلودما کی عمر تیس کے لگ بھگ تھی اور وہ چار بچوں کی ماں تھی۔ ناک نقشے کی اچھی اور کھاتے پیتے متوسط گھرانے سے آئی تھی۔ اس کے ماں باپ' اس کی ضروریات زندگی برابر فراہم کرتے رہتے تھے۔ اسی لئے 'شوہر ستیا ہمیشہ اس کے آگے دُم دبائے رہتا تھا۔ اور لوگوں کا بھی اس کے بارے میں یہی خیال تھا۔ کسی نے اسے اس سلسلہ میں چھیڑنے کی کوشش بھی کی تُو وہ مان لیتا کہ ہاں بھئی میں اپنے خسر کا کھا رہا ہوں۔ جب اسے پتہ چل گیا کہ اس کے بڑے بھائی کے اولاد نہیں ہوگی تُو ستیا نے چار بچے پیدا کر ڈالے۔ آخری اولاد۔ ایک ننھی سی جان......

اور وہ ننھی سی جان، انگلیاں چوستی ہوئی اپنی ماں کی گود میں ہمک رہی تھی۔ اور ماں، اپنی ساس سے جھگڑے جا رہی تھی اور بچّی کو اپنی کمر کی دونوں جانب بڑی تیزی سے کبھی ادھر تُو کبھی ادھر پٹکتی۔

"ماں جی کیوں ہمیشہ میرا گھر' میری جائیداد کی رٹ لگاتی رہتی ہو؟"

"کہوں گی، ہزار بار کہوں گی کہ یہ میرا گھر ہے۔ میری ہی جائیداد ہے۔ یہ سب کچھ مَیں نے اپنی ہی محنت سے کمایا ہے۔ اسی میں تُو بھی رہ رہی ہے۔ مجبور ہو کر۔"

ساس کا جواب سن کر' بہو چلودما چراغ پا ہو گئی۔ اس نے فوراً اپنی بچّی کو اپنے شوہر کے ہاتھ تھما کر، ساس کی طرف لپک کر کہا۔

"اماں کتنی جائیداد ہے تمہاری؟"

"وہی تُو میں بھی تجھ سے پوچھ رہی ہوں۔" ساس نے بہو سے کہا لہجے میں غرور تھا ......"کیا تیری آنکھ پُھوٹ گئی ہے؟"

ساس کا سوال سن کر بہو کے بدن میں جیسے آگ سی لگ گئی۔

"میری آنکھیں کیوں پھوٹیں اماں۔ میں خوب جانتی ہوں کہ یہ گھر کیسا ہے؟۔ یہ بے وارثی گھر کیا میرا دیکھا ہوا نہیں ہے؟ پرماتما کی دیا کے ہوتے' چار ایکڑ زمین میں کوئی فصل نہیں۔

میں نے بھی دیکھا ہے......" یہ کہتے ہوئے بہو چلودما، اپنی ساس کے سامنے ڈٹ کر بیٹھ گئی۔

شوہر نے بیوی کو ہاتھ سے پکڑ کر گھسیٹا اور چلنے کو کہا۔

"چل اُٹھ۔" اس کی زبان میں لکنت آ گئی تھی۔

شوہر سے اپنا ہاتھ چھڑا کر چلودما...... جم کر بیٹھی ہی رہی۔

"میری جائیداد ہتھیلی چوڑی سہی، اسی میں تُو بھی تو رہ رہی ہے۔" ساکوا نے دھیرے سے اُٹھتے ہوئے مگر ذرا سخت لہجہ میں کہا۔

چلودما کو لگا جیسے اس کا سرتن سے جدا کر دیا گیا ہو۔ فرش پر زور سے ہاتھ مار کر کہا "ساس ماں، تم یوں ہی بولتی رہو گی تو میں پاگل کسی دن اس گھر کو اور تمہارے کھیتوں کو آگ لگا کر کہیں نکل جاؤں گی۔" یہ کہتے ہوئے وہ اُکھڑتی سانسوں کے درمیان اپنے گھر لوٹ گئی۔ ننھی بچّی دادی کے پاس ہی کھیل رہی تھی۔

ستیا نے محسوس کیا کہ اُسے بات چھیڑنی ہی نہیں چاہیے تھی۔۔ وہ دم سادھے خاموش بیٹھا رہا۔ اسے صحیح اندازہ نہیں تھا کہ اس کی بیوی نے کیا کہہ ڈالا تھا۔ ساکوا برابر کوسے جا رہی تھی، ہاتھ نچا نچا کر۔ ستیا' دم سادھے کھڑا تھا' بچّی، بدستور وہیں کھیل رہی تھی۔

"ستیا تیری بیوی نے کیا کہا، سنا تُو نے۔؟" ماں نے بیٹے سے پوچھا۔ اس کے ہاتھ بے چینی سے فرش پر حرکت کر رہے تھے۔ آواز اتنی سخت تھی کہ گھر' دہل کر رہ گیا تھا۔ بیٹے کی زبان گنگ تھی۔ وہ خوفزدہ بھی تھا اور غمگین بھی۔

"اپنی بیوی کو روک نہیں سکا۔ مجھے روک رہا ہے۔؟" ساکوا نے گرج کر کہا۔ "شاباش شاباش بیٹا۔ اس کے بعد اس مکان میں اگر وہ رہے تو...... وہ...... اپنے باپ کی اولاد نہیں۔ بس میں اتنا ہی کہوں گی۔ ہاں اتنا ہی کہوں گی۔" اس دھمکی کے سُنتے ہی ستیا کے گھر میں چیزیں ہٹانے اور گرانے کی آوازیں آنے لگیں۔ جیسے سامان سمیٹا جا رہا ہو۔ ستیا کے قدم اٹھ نہیں پا رہے تھے۔ پھر بھی وہ بہ مشکل متوجہ ہوا۔ پاس بیٹھی بہن گورمتا کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔ اس نے بھائی سے کہا۔ "ستیا، ماں کچھ بھی کہے...... تُو چپ رہ جا......" "میں کیا یہاں جائیداد لینے آئی ہوں

۔اگر ماں جائیداد لکھنا بھی چاہے تو کیا میں لکھوا لونگی؟"

گورمتا کا بڑا بیمار لڑکا سر پر چادر تان کر دیوار سے لگا ہوا پڑا تھا۔اس کی نظر کبھی اپنی ماں پر تو کبھی اپنے ماموں پر پڑتی تھی۔وہ بہت کمزور تھا۔گھر کے درمیانی حصہ کے ایک محراب میں سے چراغ نکال کر بِلّا گوری نے صاف کرتے ہوئے ستیا کو دیکھ کر کہا۔"بھگوان جانے ،یہ گھر کب چھوٹے گا۔"

"تو 'اندر جا'۔ستیا نے گورمتا سے کہا اور خود بھی پیر پٹکتا ہوا ،اپنے مکان کے اندر چلا گیا ۔اتنے میں چھوٹا لڑکا گروسدّو آیا اور گھر کے اندر کا ماحول اور ماں کا غم و غصہ دیکھ کر' دہلیز سے ہی لوٹ گیا۔ساکوّا کو توقع تھی کہ گروسدّو......ماں کا حال چال پوچھے گا۔اُسے لوٹتے ہوئے دیکھ کر' خود ہی پوچھ بیٹھی کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔

'ابھی آیا ماں' کہتا ہوا پلٹ کر دیکھے بغیر' گروسدّو تیزی سے نکل گیا۔

چھوٹے سے گھر میں 'چلووما' اپنا سامان باندھ رہی تھی-شوہر اُسے کھول کھول دیتا تھا۔بیوی جب بھی اپنا ماتھا پیٹتی' ستیا بھی اپنا ماتھا پیٹتا۔بچی اپنی دادی کے پاس بدستور کھیل رہی تھی۔ایک لڑکی کہیں باہر گئی ہوئی تھی تو دوسرے دو بچے ،ماں باپ کو جھگڑتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔اُن کا شور آسمان کو چھو رہا تھا۔دھیرے دھیرے' گھر میں شانتی لوٹ آئی۔لگتا تھا کہ گھر کانپ رہا ہے۔

اتنے میں بڑا لڑکا ،کالنّا گز گز بھر کے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اندر آیا۔ماں کو دیکھ کر بھی کچھ پوچھے بغیر' اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔اور 'ہُش" کہتا ہوا بیٹھ گیا۔اس کی بیوی نے گھر کے ہنگامے کی تفصیل ایک ہی سانس میں سنا ڈالی۔اپنا غم پی کر وہ خاموش رہ گیا۔آس پاس کے علاقوں میں......ایک دھانسو عورت کہلانے والی ساکوّا کی' اپنے ہی گھر میں کوئی اہمیت نہیں تھی-

"تو کیا کر رہی ہے؟" کالنّا نے اپنی بیوی سے پوچھا-

"کل بازار سے لائے ہوئے مُرمُرے اور چیوڑے پاک کر رہی ہوں۔"

اُسی وقت 'چلووما' شوہر سے جھگڑتے ہوئے' سمیٹا ہوا سامان سنبھالتی ہوئی' بائیں ہاتھ سے اپنے دوسرے بیٹے کو گھسیٹتی ہوئی' گھر سے باہر نکلی-مگر بچہ ،ماں کی گرفت سے چھوٹ چھوٹ جاتا تھا۔چلووما کو غصہ آیا۔اس نے بچے کو دھکیل دیا۔بھاری صندوق اور اس پر بچی کا

بوجھ۔زبردستی اسے اپنی کمر پر پٹک کر جانے لگی تو ستیا نے روکا۔ماں کے جارحانہ سلوک پر بچی خوفزدہ ہو گئی۔کالنّا کے اندر سے باہر آتے ہی' ہر شخص ٹھٹک کر رہ گیا۔کالنّا نے باری باری سب کو دیکھا اور گھر کے طرف اشارہ کرکے' چلووما سے کہا کہ وہ پہلے اپنے گھر کے اندر جائے۔چلووما نے صندوق اور بچی' دونوں کو زمین پر بیدردی سے پٹک کر کہا-

"انّا' اس گھر میں میرا کہا ہمیشہ غلط ہی سمجھا جاتا ہے۔مَیں جیوں کہ مر جاؤں؟" اس نے اپنے آنسوؤں کو ساڑی کے پلّو سے پوچھا۔

ماں کو روتا دیکھ کر اس کا دوسرا لڑکا بھی روہانسا ہو گیا-

"دیکھو اور باتیں سنتے جاؤ۔" چلووما کی طرف اشارہ کرے ہوئے ساکوّا نے کالنّا سے کہا اور اُنگلیاں عجیب انداز سے چٹخانے لگی۔حمام کی طرف جانے والی بچی کو گورمتا نے لپک کر گود میں اٹھا لیا۔چلووما گھر کی طرف چل پڑی۔کالنّا نے مکان کا جائزہ لیا اور کہا کہ بچوں کو گھر کے اندر ہی کیوں بند کر رکھا ہے۔کھانا لانے کے لئے تو باہر جانا تھا انہیں......

"کیا تمہارے لئے کھانا آسمان سے اترے گا؟" سب کو خاموش دیکھ کر گورمتا نے پوچھا-

"کوئی ہمیں بھی مزدوری کے لئے بلائے۔اُوپر کے محلّہ کا چکر کاٹ کر آئے ہیں۔مگر کوئی سننے والا نہیں ہے۔کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔"

کالنّا بدستور خاموش کھڑا رہا۔اُسی وقت چلووما' ہاتھ میں درانتی لئے' باہر نکلی اور کالنّا کی بیوی سے کہا۔"آؤ بہن لکڑی کاٹ کر لائیں۔"

"لکڑی کا کیا ،شام کو بھی لا سکتے ہیں۔"

شوہر کو کھانا پروسا گیا۔ایک کپ میں چائے اور چار مٹھی مُرمُرے ساس ساکوّا کو بھی دیئے گئے۔"نہ بیٹا نہ۔مجھے اس کی ضرورت نہیں۔" ساکوّا نے کہا۔

"لے بھی لے اماں۔" کالنّا نے عاجزی سے کہا۔

"اماں جی۔آپ لے لیں۔وہ چائے پی چکے۔"

ساکوّا نے کھیلتی ہوئی پوتی کے منہ میں دو چار مُرمُرے ڈالے اور بیٹی بِلّا گوری کو بُلا کر کہا

کہ اپنی دو بیٹیوں کو بھی تھوڑے مُرمُرے دے۔ بیٹی نے ماں کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کا لڑکا ایک ستم رسیدہ تنے کی طرح تھا۔ جو دیا گیا، اسی پر مطمئن۔ اس کا مرض لاعلاج تھا۔ وہ لڑکا خود بھی یہی محسوس کرتا تھا اور سر پر ہمیشہ ایک چادر لپیٹے رہتا تھا۔ اسی لئے اس کا ماموں اُسے پیار سے 'ڈپٹی کمشنر' کہہ کر بلاتا تھا۔ دوسرے بھی اُسے یہی کہہ کر بلاتے تھے۔ اس کا پیدائشی نام' اُسے خود بھی یاد نہیں تھا۔ گھر والوں کا خیال تھا کہ وہ کسی بھی وقت مر سکتا ہے۔ وہ ہمیشہ خاموش بیٹھا رہتا تھا۔ دیگر سب کام اپنے اپنے طور پر ہو جاتے تھے۔

چراغ کچھ اس انداز سے صاف کیا گیا تھا کہ حیرت ہوتی تھی۔ پھّا گوری کے ہاتھوں میں جادو سا تھا۔

اس دوپہر سکول میں تقسیم کی گئی؛ ''اُپٹ'' لے کر اتنے میں شو گھر لوٹا۔

سورج شعلے برسا رہا تھا۔ ساری بستی شدید گرمی کی لپیٹ میں تھی۔ سارے جسم نڈھال تھکے تھکے سے۔ آرام کی تمنا کرتے ہوئے، کالتا، گھر کی دہلیز پر اپنا سر رکھے، پاؤں پھیلائے سو رہا تھا بلکہ خراٹے بھر رہا تھا۔ ساکو ابھی لیٹی ہوئی تھی۔ شو کی ممانی بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی اور اپنے شوہر کے سر کے بالوں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ ستیا کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ اس کی دو بیٹیاں آنگن میں کھڑی تھیں۔

ادھر چھوٹے مکان میں' چلو وما لیٹی ہوئی بچّی کو ہلکے سے تھپک تھپک کر سلا رہی تھی۔ اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا لڑکا برتن میں بچی ہوئی گنجی چاٹ رہا تھا۔ مکان کے درمیانی حصّہ میں شو اور اس کی ماں گورمتا، اپنے بڑے لڑکے کے پاس سوئے ہوئے تھے۔ شو کا بڑا بھائی ''ڈپٹی کمشنر'' حسب عادت، سر پر سفید چادر تان کر' بے حرکت' دیوار سے لگا بیٹھا سامنے دیوار کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا۔ وہیں شو کی خالہ پھّا گوری، آلتی پالتی مارے اپنی ساڑی، لہنگے پر کستی ہوئی ایک گلاس میں نیل انڈیل کر پانی میں گھول رہی تھی۔ سامنے بیٹھے ہوئے شو کی طرف دیکھ کر ایک عجیب نشہ سے سرشار اپنے ہونٹ ادھر ادھر گھما کر بولی۔

''دیکھ اب میں مور کی تصویر بناؤں گی۔''

شو آنکھیں پھاڑے تصویر کو دیکھے جا رہا تھا۔

پانی میں نیل گھولتی ہوئی پھّا گوری نے شو سے کہا کہ سکول سے لائی ہوئی اُپٹ نکالے اور پھر تصویر دیکھے۔

''تو بھی تھوڑی سی کھالے چھوٹی امّاں۔''

''نہیں تھوڑی سی تیرے بڑے بھائی کو دیدینا۔ بس!''

شو نے دو حصّے کر کے ایک حصّہ، اپنے بھائی کو دے دیا۔

پھّا گوری نے سیندھی کی ہری پتّی' نیل کے پانی میں ڈبو کر' دیوار پر مور کی تصویر بنانی شروع کی۔ سب سے پہلے' اس نے مور کے پاؤں بنائے۔ شو نے فوراً ٹوکا کہ کیا تصویر بناتے وقت پہلے پاؤں بنائے جاتے ہیں۔ گوری نے اشارے سے اُسے خاموش رہنے کو کہا اور اپنے کام میں مصروف رہی۔ اپنے جسم کا پورا بوجھ اپنی سلیٹ پر ڈال کر شو بھی مور کی تصویر بنانے لگا مگر پہلے سر کی طرف سے۔ کافی دیر کے بعد پھّا گوری نے کہا ''شو دیکھ تو مور کیسا ہے؟''

شو نے سر اٹھا کر دیکھا اور حیران رہ گیا۔ لگتا تھا کہ زندہ مور ہو اور کسی بھی دم ناچ اٹھے گا۔ شو نے تعریف کی' تالی بجائی جس کی آواز سن کر ساکو جاگ اٹھی۔ اس نے آنکھیں کھولے بغیر ہی پوچھا کہ کون ہے۔ جواب سن کر خوش بھی ہو گئی۔ پھر اس نے بیٹی سے کہا کہ کچھ پان سپیاری دے دے۔ پھّا گوری نے تلاش کی مگر بے کار۔ شو نے نانی سے مور دیکھنے کی فرمائش کی اور کہا کہ چھوٹی امّاں نے بہت اچھی تصویر بنائی ہے۔ ساکو ابھی حیران رہ گئی۔ دل ہی دل میں تعریف کرتی ہوئی پھر سے آنکھیں بند کر لیں اور کہا کہ یہ گویا ایسی بات ہوئی کہ دھان کوٹنے کے عوض 'کوئی کوٹنے والے کو ہی دیکھتا رہ جائے۔ گوری کو یہ بات بُری لگی۔ وہ ماں سے پوچھ بیٹھی۔

''کیا یہاں کسی نے دھان کی بنڈوی لگائی ہے کُوٹنے کے لئے؟''

گوری نے اس مور کے پاس ایک اور مور بنانا شروع کیا۔

ساکو کی نیند اُڑ گئی۔ شام ہو رہی تھی اور تاریکی ہلکے ہلکے زمین پر اُتر رہی تھی۔ اندھیرے میں شو آنکھیں پھاڑے، کتاب اور سلیٹ سے الجھ رہا تھا کہ بارہ فیصد شرح سود کے حساب سے'

ایک سو روپیوں کا 'دو سال کا سود' کتنا ہوگا؟ ساکوا کو کچھ یاد آیا۔ شو کو بلا کر کہا۔

'جب تیری ماں دو ماہ کی زچہ تھی میں نے کوئیگال سے بارہ روپیوں میں جو برتن خریدے تھے وہ میں نے رمتما کے پاس رہن رکھے تھے۔ اب اصل اور اس کا سود ملا کر جملہ کتنی رقم واجب الادا ہوگی۔ مجھے ذرا حساب کر کے بتانا۔ شو نے کہا کہ بتائے گا مگر اطمینان سے حساب کر کے۔ اس نے شرح سود پوچھی۔

'کیا تجھے اتنا بھی نہیں معلوم۔ ایک روپے کا ایک ماہ کا ایک آنہ سود............' ساکوا نے نواسے کو بتایا۔ شو نے مغز پاشی کے بعد ہار مان لی۔

''ہٹو نانی مجھے پڑھنا ہے۔''

اب شو پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اندھیرا چارسُو پھیلا ہوا تھا۔ کافی مقدار میں مٹی کا تیل نہ ہونے کے باعث، گھر کے درمیانی حصہ کے دیئے میں روشنی کمزور پڑ رہی تھی جیسے اب بجھا کہ تب بجھا۔ شو نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ اندر سے ماں گورما نے کہا کہ گوری کل کام پر جائے گی اور پیشگی لے کر لوٹتے وقت' تیل بھی لانے کا وعدہ کر گئی ہے۔

''میں خوب پڑھنا چاہتا ہوں۔'' شو نے ماں سے شکایتی انداز میں تقریباً روتے ہوئے کہا ماں سے رہا نہ گیا۔ دیئے میں تیل کی فرمائش! وہ چلو وما کے گھر گئی اور کہا کہ تیل اُدھار دے' لوٹا دے گی۔ چلو وما نے مجبوری ظاہر کی۔ پھر شو سے کہا کہ وہ ان کے گھر آ کر پڑھ لے۔ شو نے حکم کی تعمیل کی۔

ماں خالی چراغ لئے گھر لوٹ آئی
پگا گوری بھی خالی ہاتھ لوٹ آئی

باب-4

دھوئیں کے مرغولے اِدھر اُدھر پھیلتے جا رہے تھے۔۔ ہانڈیوں کی مدھم آواز بھی آ رہی تھی جیسے بلا رہی ہوں۔ ساکوا نے شو کو بلایا اور کہا۔ ''چل، مرغا ڈھونڈ لائیں۔''

شو ہوں ہاں کر کے ٹالنے کی فکر میں تھا۔

''نانی، مرغا اگر کہیں ہوتا تو اب تک آ گیا ہوتا۔ مجھے اندھیرے سے ڈر لگتا ہے نانی۔''

ساکوا، پاؤں پھیلائے بیٹھی تھی۔ اس نے کہا کہ وہ بھی تو اس کے ساتھ ہوگی۔

''تو میرے ساتھ ہے تو کیا۔ کیا یمراج ڈر جائے گا۔'' شو نے بے دلی سے کہا۔

''آنکھیں کھول کر دیکھ بیٹا۔ اس کی برگد جیسی موٹی موٹی مونچھیں ہیں تو درانتیوں جیسے دانت۔'' ساکوا نے کہا۔

''کیا وہ تجھے کھینچ کر لیجائیں گے۔؟'' شو نے پوچھا۔

''ارے جا جا۔ وہ کیوں مجھے لے جانے لگے۔ کہہ دوں گی کہ میں خود چلی آؤں گی۔''

''تو پھر؟''

''تو پھر ان سے پہلے ہی مَیں یم دھرماراج کے پاس چلی جاؤں گی''

ساکوا کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہونے ہی کو تھے کہ اس کے جسم کی ڈھیلی جلد پوپلا منہ اور گنجا سر سب غائب ہو گئے۔ ساکوا کو لگا کہ اس کے سامنے پگا گوری ہے۔

''یم دھرماراج کیا کریں گے؟''

''وہ ہمارے گھر کے برابر تخت لا کر' ان لوگوں کو سزا دیں گے جن کو فرش کے دُوت...... اپنے ساتھ لیجائیں گے۔''

''اس لئے کیا تجھے بھی ڈر نہیں ہوگا؟'' شو نے پوچھا۔

''اس دنیا میں مَیں نے اب تک جو دکھ سہے ہیں وہ کیا کم ہیں۔ دیکھا جائے تو یہی حصہ

زیادہ ہوگا۔ میں یہی بات یم دھرماراج کو بھی بتاؤں گی۔"

سفید ساڑی میں ملبوس پکا گوری، جس کی زلفیں دراز تھیں اور لہرا رہی تھیں، ساکوا کو ایک اپسرا نظر آرہی تھی۔

"تو وہ کیا کہے گا؟"

"ٹھیک ہے بڑھیا- تیرے حوصلے کے صلے میں بول تجھے کیا چاہئے؟" یم دھرماراج پوچھیں گے۔ ساکوا کو ایسا لگا جیسے سفید ساڑھی میں ملبوس پکا گوری لہراتی زلفوں کے ساتھ پرلوک کو اپنی اُنگلی پر نچا رہی ہے-

"وردان مانگنے کو دھرماراج کہیں گے تو میں ان سے کہوں گی کہ میرے نواسے شو کو دوراہی مل جائے۔ بس اتنا ہی-"

شو سوچتا رہا۔ اس کی اس بات کو ٹوک کر ساکوا نے کہا کہ مرغے کی تلاش میں وہ اس کے ساتھ آئے۔ شو اٹھ کھڑا ہوا۔ ساکوا نے گورمتا سے ایک خالی کٹورا لیا۔ گلاس مانگ لانے کو کہا- گورمتا نے خالی گلاس ماں کو تھماتے ہوئے گذارش کی کہ مرغے کی تلاش کا خیال اب ترک ہی کردے- اندھیرے میں تلاش فضول ہے۔" ساکوا نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور زور ڈال کر کھڑی ہوگئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ باہر آگئی۔ بیٹی سے یہ کہتے ہوئے کہ۔

'تو گلاس تو دینا۔ کھوئی گئی چیز کہاں ہے، یہ بعد میں بتاؤں گی۔ میں اپنے گُل دیوتا، کو مرچ کی دھونی دے کر پرانی جوتی سے مارے بغیر کیا یوں ہی چھوڑ دوں گی-"

ساکوا نے شو کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ اسی گھور اندھیرے میں ساکوا نے لاٹھی اور شو کے سہارے تھوڑا فاصلہ طے کیا اور ایک گھر کے سامنے رک گئی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور آگے بڑھ گئی۔ اس طرح دس بیس گھروں کے پاس رُک رُک کر گہری سانسیں لیتی ہوئی آگے بڑھتی گئی۔ کسی نے استفسار کیا بھی تو ٹال مٹول کر آگے بڑھ جاتی اور بالآخر اپنی سوت کیمپا کے گھر کی طرف بڑھنے لگی- ایک گھر سے نکلنے والی تیز بو نے اس کے نتھنوں کو چوکنا کر دیا- گد گدی سی ہونے لگی- وہ پروٹیا کا گھر تھا- جو ساکوا کا دور کا رشتہ دار تھا۔ ساکوا نے دروازے پر دستک

دی۔ پروٹیا کی بیوی' دیوی رَما نے دروازہ کھول کر اندر بلایا اور آنے کا سبب پوچھا۔ ساکوا نے سانس لے کر اندر آتے وقت دیکھا کہ پروٹیا کھانا کھا رہا ہے۔ ساکوا نے دیوی رَما سے کہا کہ 'ماری' کے تہوار کے تھوڑے سے چاول بچے تھے اسے کھالیں گے-

"پرراگی کا حلوہ بنانے والا اب ہے کون محلہ میں؟ اس لئے میں تمہارے پاس آگئی ہوں کہ تھوڑا سا سالن بھی لے لوں-"

دیوی رما نے گلاس میں تھوڑا سا سالن ڈالا- ساکوا نے اجازت لی' باہر آتے ہی اس نے سالن سونگھ کر اس میں سے ایک بوٹی نکال کر شو سے کہا کہ وہ دیکھے کہ وہ بوٹی ہی تو نہیں ہے۔ شو نے چکھ کر بتایا کہ وہ بوٹی نہیں ہے۔ ساکوا نے ادھر ادھر ہاتھ پیر مار کر گھر لوٹ آنے میں ہی عافیت سمجھی۔

صحن میں چلووما اور پڑوسن کالکا ساتھ ہی کھڑے تھے۔ شو کے گھر کے اندر جانے کے بعد کالکا نے ساکوا سے وعدہ لیا کہ وہ جو پوچھے گی اس کا جواب ضرور ملے گا-

"بھابی چولہے پر راگی کے حلوہ کا آٹا زیادہ گیلا ہوگیا ہے۔ ایک پاؤ آٹا اُدھار دو- کل راگی پسوا کر لوٹا دوں گی۔"

چلووما نے قسم کھا کر کہا کہ گھر میں آٹا نہیں ہے ورنہ ضرور دے دیتی۔ کالکا کے چہرے کا رنگ اندھیرے میں نظر نہیں آیا۔ چلووما گھر کے اندر لوٹ آئی۔ ساکوا اپنی مقررہ جگہ پر بیٹھ کر کہنے لگی۔

"شو اشوا آخرکار غائب ہو ہی گیا نا۔ اسے پالنے کے لئے میں نے کیا کیا جتن نہیں کئے۔ میرے گُل دیوتا میرے گھر کو اجاڑنے پر کیوں تُلا ہوا ہے۔ ہمارا تو ستیاناس ہوگیا-" ساکوا بہت دکھی تھی۔ بڑبڑائے جا رہی تھی- بیار نواسا گلاس چاٹ رہا تھا-

باب-5

بیمار نے سالن کا ذائقہ محسوس کیا۔ اتنے میں کالا اندر چلا آیا۔ ہٹی میں ہلکی سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کالا نے اپنی پیٹھ پر رکھی ہوئی بوری زمین پر گرا دی اور آہستگی سے بیوی کو آواز دی -کالا کا جسم پسینہ سے تر تھا- پاس کے گھر کی روشنی، آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔ بیوی کے آتے ہی کالا نے چولہا جلانے کو کہا۔ جوار کی سوکھی گھاس سے چولہا جلایا گیا جس کی روشنی میں ماحول کی تاریکی کسی قدر دور ہوئی۔ اطراف بیٹھے ہوئے لوگ نظر آئے- کالا نے مونگ پھلیوں کی بوری انڈیل دی۔ منڈلاتے ہوئے مچھروں سے پناہ لینے کے لئے ساکو ابھی اسی روشنی کے قریب کھسک آئی- لگتا تھا' جیسے اس کا چہرہ جل رہا ہے۔ کالا نے مونگ پھلی منہ میں ڈالتے ہوئے ماں سے پوچھا کہ وہ وہاں اتنی دور کیوں بیٹھی ہے۔ ساکو انے اشارے سے شو کو پاس بلایا اور دونوں اس جلتی بجھتی آگ کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ آگ دھرتی ماتا کی طرح' چاروں طرف جھانک رہی تھی۔ اس سے نکلنے والے دھویں سے اطراف کے کیڑے مکوڑوں کا دم گھٹ رہا تھا- روشنی اب چاروں اور پھیل چکی تھی۔ کالا کی بیوی نے چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں چولہے میں ڈالیں اور ماں کو آواز دی کہ وہ بھی مونگ پھلیوں کے قریب آجائے۔ گورتا اور گوری بھی چلے آئے-

سب پھلیاں چھیل کر کھاتے اور چھلکے چولہے میں جھونکتے رہے۔ چولہا پھونکنا بند کر کے کالا کی بیوی اپنی دیورانی چلوو ما کو بھی بلا لائی۔ دراصل وہ منتظر تھی کہ اُس کا شوہر کالا اپنی بہن کو خود آواز دے گا۔

"بچے سو رہے ہیں- جانے بھی دو بہن" چلوو ما نے کہا-

"ارے یہ بھی کوئی بات ہوئی - اٹھا لاؤ انہیں۔ کالا کی بیوی نے کہا۔ اور خود ہی جا کر دوسرے لڑکے کو جگا کر اپنے ساتھ لے آئی - پلٹ کر ایک بچے کے سر پر چادر ٹھیک کر کے اور

دو بچوں کو بھی اپنے ساتھ لے آئی۔ ان کی آنکھیں صاف کیں۔ چلوو ما نے چراغ صندوق پر لا کر رکھا۔ سب مونگ پھلیاں کھانے میں مصروف ہو گئے۔ وہ آگ کبھی دھواں بکھیرتی کبھی زیادہ روشن ہو جاتی، کبھی سایہ بن جاتی۔ اطراف بیٹھے ہوئے لوگوں پر روشنی کی چادر تن گئی تھی۔ صندوق پر رکھا ہوا چراغ اپنا فرض برابر نبھا رہا تھا۔ اسی وقت اندر آیا ہوا ستیا دروازہ کی کنڈی لگا کر پھلیاں چھیل کر کھانے لگا۔ پھر آگ تاپتے ہوئے اس نے کہا کہ سردی بہت ہے-

تب تک مونگ پھلیوں کے دو ڈھیر صاف ہو گئے تھے۔ وہاں ریشم کے کیڑوں کے لئے شہتوت کے پتے ڈالے جانے کی آواز آ رہی تھی۔ یہ آواز رکتی تو باہر سے مینڈکوں کے ٹرٹرانے کی آواز سنائی دیتی۔ باہر کتا مسلسل بھونکے جا رہا تھا۔ اگلے تہوار کے لئے ماری مندر کے اندر ناٹک کی ریہرسل بھی زوروں پر تھی...... ہارمونیم کی آواز ان سب آوازوں پر غالب آ رہی تھی-

"کیا یہاں بارش ہوئی تھی؟" ستیا نے پوچھا۔

"کس دیس سے آئے گی بارش؟ یہاں بارش ہو گی؟" یہ کالا تھا-

"اس اجاڑ بستی کے لئے بارش کی کیا ضرورت ہے؟" ساکو انے کہا-

"کالا! میں گاؤں گاؤں گھوما ہوں- تپا نے جانوروں کے لئے بڑا اچھا چھپر ڈالا ہے- ایسا چھپر کہیں نہیں دیکھا- ذرا تو بھی دیکھ آنا۔" ستیا نے کہا۔

"ارے کیا تو سمجھتا ہے کہ میں نے اسے ابھی تک نہیں دیکھا۔" کالا نے جواب دیا" جلتے جلتے بھی اس سود خور کا زخم نہیں بھرا-"

"ہماری ماں اگر ایسا چھپر ڈال دیتی تو پتہ نہیں کن آسمانوں میں اُڑ رہی ہوتی اور کیا کہتی-" کالا کی اس بات پر سب کو ہنسی آگئی۔ پھر چاروں طرف خاموشی- شو، بھنی ہوئی پھلیاں چُن چُن کر کھا رہا تھا۔

"ارے تم ہونا بھئی! تم ہی بتاؤ نا- شیر جیسے تین تین بیٹے ہیں-" ساکو انے کہا۔ دروازہ پر دستک ہوئی...... بولتے بولتے سب یکدم خاموش ہو گئے۔

"کون ہے؟" کالا کی بیوی نے پوچھا۔

''میں ہوں میں ۔'' کالکا نے جواب دیا۔ وہ اندھیرے میں نظر نہیں آ رہی تھی۔ ''اماں جی! میرا بچہ بھوک سے نڈھال ہو کر روتا روتا سو گیا ہے۔ تین دن سے کہیں مزدوری بھی نہیں ملی۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کچھ ہو تو دے دو۔'' کالکا کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ساکو او غیرہ نے اپنی اپنی مٹھی بھر مونگ پھلیاں اس گھٹتے ہوئے چھوٹے سے خرمن سے اٹھا کر کالکا کے پسارے ہوئے دامن میں ڈال دیں۔

کالکا چلی گئی۔

وہاں بیٹھے ہوئے افرادِ خانہ، مونگ پھلیاں کھانے میں بدستور مصروف رہے۔ کسی پر کسی کا دھیان نہیں تھا۔ چھلکے چولہے میں جھونک کر مونگ پھلی کے دانے منہ میں ڈالتے جاتے تھے۔

''تپیا کے گھر کی بات رہنے دو، جانوروں کے گھر کی بات جانتے ہو؟'' کالنا نے پوچھا

''بیل بھینس وغیرہ ایک سے ایک فربہ ہیں ان کے گھر میں۔''

''ایسی ایک بھی بھینس مر جائے تو ہماری ہفتے کے دلدّر دور ہو جائیں۔ ایک دن کے لئے سہی۔''

یہ ساکو ا کہہ رہی تھی۔

''چپ بھی رہو تھوڑی دیر کے لئے۔ تم تو تین کاس کا مرغا گم ہو جانے پر ہی اس قدر دکھی ہو، تو ان کی بھینس اگر کھو جائے تو کتنا رنج ہوگا انہیں۔'' گورمتا نے کہا

'ٹھیک کہتی ہو بہن جی۔'' کالنا کی بیوی نے کہا۔

''تپیا نے کون سی محنت سے کمایا ہے...... یہ پیسہ کچھ کھو بھی جائے تو اس کا کیا بگڑے گا۔ اس کی سود کی دولت کے آگے اس کی حیثیت ہی کیا ہے؟'' کالنا نے طنز کیا۔

'شو شوا۔ اس کی بیٹی کی شادی جس دُھوم دَھام سے ہوئی تھی، وہ سب کچھ اب بھی میری آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ ٹوکریوں میں لائے ہوئے بوندی کے لڈو اتنے تھے کہ دل کھول کر بانٹے جا رہے تھے۔ کیا تم نے کبھی ایسی شادی دیکھی ہے؟'' کالنا کی بیوی نے کہا

''اتنی شان سے کیسے کر سکیں گے بھئی۔ پھر بھی جو کچھ ہو سکے وہ تو ضرور کریں گے۔'' ستیا نے کہا۔

پُٹا گوری کو گرمی میں اور زیادہ پسینہ آنے لگا۔

ساکو ا نے بیٹوں کی باتوں پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''میرے بچو، میری آنکھیں بند ہونے سے پہلے میری بیٹی کے ہاتھ پیلے کر دو۔''

''ماں ہم کیا ڈھونڈھیں۔ وہ خود کسی کا ہاتھ تھام لے گی۔'' ستیا نے کہا

''بیٹا، تیرے چھوٹے ماموں کو بھی بُلا لانا۔'' ستیا نے شو سے کہا۔

''ہارمونیم کی آواز جہاں ہے وہ بھی وہیں ہوگا۔ اسے بھی مونگ پھلی کھانے دو۔''

'میں اس اندھیرے میں کیسے جاؤں'؟ شو نے کہا

''آ بیٹا۔ میں تیری مدد کروں گی۔'' پُٹا گوری نے کہا۔ ''میں باہر کھڑی رہوں گی۔''

اتنے میں دیوار کی طرف منہ کر کے چادر تانے ہوئے ڈپٹی کمشنر نے حرکت کی اور لڑکھڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ بتانے کے لئے کہ وہ بھی چل سکے گا، وہ مونگ پھلی کے بیج ایک ایک کر کے منہ میں ڈالتا رہا پُٹا گوری شو کے ساتھ باہر آئی۔ زمین ناہموار تھی۔ اندھیرے میں دونوں اٹکل سے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پھلانگتے ہوئے چلے۔ پُٹا گوری ماری مندر کے راستے کے نکڑ پر کھڑی ہو گئی...... ماری مندر میں ڈرامے کی ریہرسل نہیں ہو رہی تھی۔ چنا سوامی ہارمونیم پر کوئی فلمی دھن بجا رہا تھا۔ ''کون جانے رام تیرے پنج بل کی شان'' .... اور بڑے تکبر سے سر دھن رہا تھا۔ اس جوش کے باوجود ہونٹوں میں پھنسی ہوئی بیڑی اپنی جگہ پر تھی۔ مردنگ پر ایک نومشق لڑکا' سہم سہم کر ہاتھ مار رہا تھا کہ کہیں گالیاں سننی نہ پڑیں۔

ماری مندر کی چھت سے لٹکتی ہوئی لالٹین' بیٹھے ہوئے لوگوں پر روشنی بکھیر رہی تھی۔ پر اُس پار' کسی کا بھی چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بیڑیوں کا دھواں' مردنگ و طبلہ کی تھاپ پر ناچ رہا تھا۔ چنا سوامی ایسے گا رہا تھا جیسے ماری خود اپنے مندر میں گا رہی ہو...... اور بیٹھے ہوئے لوگ سُر تال ملا رہے تھے۔ پُٹا گوری دو چار قدم آگے آ کر رک گئی۔ ماموں کی اُنگلی پکڑ کر شو نے کہا

''ماموں، چلو، راگی کا حلوہ کھانے چلو۔''

'تو چل میں آیا۔'' گروسدو نے بے دلی سے کہا۔

''ابھی چلو ماموں۔ پھر آ جانا۔'' شیو نے اصرار کیا۔

''ذرا ٹھہر۔'' گروسدو نے پھر بے دلی سے کہا۔

''ماموں۔'' شیو نے مزید اصرار کیا۔

ان دونوں کے علاوہ، ماری مندر جیسے مائل بہ رقص تھا۔ ایک عجیب سرشاری تھی۔ ہارمونیم ماسٹر چناسوامی نے ایک معنی خیز مسکراہٹ کیساتھ، ایک آنکھ دبا کر انگلی کے اشارے سے گروسدو کو جانے کی اجازت دی۔

''ہیجڑے۔ جا جا۔'' حاضرین لوٹ پوٹ ہو گئے۔ گروسدو بھی ٹہلتے ہوئے شیو کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا۔ سامنے گروسدو کے پیچھے شیو۔ پُٹا گوری نے سرگوشی کے لہجہ میں شیو سے پوچھا۔ ''ماری مندر میں گانے والا کون تھا؟۔

''اس کا نام چناسوامنا ہے۔'' شیو نے جواب دیا۔

پُٹا گوری گانے والے کی آواز کے سحر میں کھوئی ہوئی سی قدم بڑھا رہی تھی۔ گروسدو کے گھر پہنچنے تک بھُنی ہوئی مونگ پھلیوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر تیار تھا۔ جیسے ہی گروسدو نے مونگ پھلیوں پر ہاتھ ڈالا اس کی کلائی پر بندھی چمکتی گھڑی بھی چمک اٹھی۔ سب کی نظریں اس پر مرکوز ہو گئیں۔ ہاتھ اور منہ یکدم رک گئے۔ گروسدو کا ہاتھ جدھر حرکت کرتا گھڑی کی چمک بھی اسی رُخ اپنا چمتکار دکھاتی۔

''کس کی گھڑی ہے بھئی۔؟ کالنا نے پوچھا۔

''میری ہی ہے۔ میں نے خریدی ہے۔'' گُروسِدو نے کہا۔

''یہ لے گا۔ یہ سب لوگ جوئے میں اپنی سائیکل بھی ہار جاتے ہیں۔ کسی نے یہ گھڑی دی ہوگی۔'' سنیا نے اپنی رائے پیش کی۔

''جانے بھی دو۔'' گرسدو نے کہا۔ ''میں کل تکدور گیا تھا۔''

گروسدو بات کا رخ موڑنا چاہتا تھا۔

''وہاں ہمارے لوگوں نے شوبیا کے ہوٹل میں گھس کر مانگ کی کہ پیسہ لے کر انہیں بھی ہوٹل

میں بیٹھ کر کھانے پینے کی اجازت دی جائے۔ شوبیا پسینہ میں نہا گیا۔ پھر پولیس آئی۔ اس نے یقین دلایا کہ اجازت دلوائے گی۔ لوگ فلمی پوسٹروں کی طرح خاموش تھے۔ میں نے بھی پیسے پھینک کر دوسے اور کافی کی فرمائش کی۔ شوبیا نے مجھے گھور کر دیکھا، پر دوسے اور کافی دے گیا۔

سب لوگوں نے گُروسِدو کی باتیں بڑی توجہ اور اشتیاق سے سنیں۔ مونگ پھلیاں کھانے کا عمل بھی ساتھ ساتھ جاری تھا۔ گروسدو نے گھڑی دیکھی اور کہا

''اب مجھے جانا ہی چاہئے۔ اب میری باری آنے والی ہے۔''

''ٹھہرو بھائی۔ گھر میں گڑ ہو تو چائے بنوالیں گے۔'' سنیا نے کہا۔

گُروسِدو ہاتھ ہلاتا ہوا جانے لگا تو پُٹا گوری نے کہا۔

''ہوٹل کی بلا دُودھ کی چائے پینے والے کو گھر کی اچھی چائے کافی خراب لگے گی نا۔''

گُروسِدو چلا گیا۔ پُٹا گوری نے دروازہ بند کیا۔ شِو مونگ پھلیاں کھاتے کھاتے اونگھ رہا تھا۔

''یہ لے دس روپے۔ جا دودھ لے آ۔'' شِو سے اس کے ایک ماموں نے کہا۔ ''اب تجھ جیسا بہادر یہاں اور کون ہے۔ جا بیٹا جا۔''

''نہیں ماموں۔ اب کون جائے گا۔ کُتّوں سے ڈر لگتا ہے۔'' شِو نے معذرت چاہی..... اس جواب سے سب خوش ہو گئے۔

چلو ما برتن میں تین گلاس پانی گُڑ کی دو بھیلیاں اور دس پیسے کی چائے پتی ڈال کر چولہا جلانے لگی۔ ماں نے ''ہُش'' کہتے ہوئے کروٹ بدل لی۔

باب-6

ساکوا کے گھر پر دستک ہوئی۔ کنڈی کھٹکھٹانے والا پولیس کانسٹیبل ریوتا تھا- پچھلے چھ ماہ سے ساہوکار تیپا، پولس انسپکٹر کے کان بھر رہا تھا کہ ہفتہ عشرہ میں ایک بار اس کی آئل مل...... سے تیس چالیس سیر مونگ پھلیاں چرائی جا رہی ہیں اور یہ کہ چور کو پکڑنے کی کوششیں ناکام ہو گئی ہیں۔ ساہوکار کے اصرار پر انسپکٹر نے یقین دلایا کہ وہ تحقیقات کے لئے ایک پولیس والے کو ڈیوٹی پر لگا دے گا۔ اسی لئے ریوتا ادھر ڈیوٹی پر مامور تھا-

ریوتا کے ریٹائر ہونے میں چند ہی دن باقی رہ گئے تھے۔ وہ دن گن رہا تھا۔ بھگوان کی دیا سے اُسے دو پتلی پتلی ٹانگیں عطا ہوئی تھیں اور وہ بیڑی ہونٹوں میں دبائے ہوئے' اسٹیشن میں ہمیشہ بیٹھا رہتا تھا۔ اسے باہر نہیں بھیجا جاتا تھا اور نہ ہی وہ خود جانا چاہتا تھا۔ اس کی دو بیویاں اور دس یا گیارہ بچے تھے۔ یہی اس کی اک خوبی تھی۔ اسے سزا دیں' تو سزا بھگتنے والے بیوی بچے ہوں گے۔ یہ سوچ کر اسے ڈیوٹی پر برداشت کیا جا رہا تھا۔

''جا رے! حرام زادے۔' جب انسپکٹر نے اسے ڈیوٹی کا حکم دیا تو ریوتا کو یقین نہیں آیا کہ اسے ڈیوٹی پر باہر بھیجا جا رہا ہے۔ نئے کام کی نوعیت دیکھ کر اسے کسی قدر خوشی بھی ہوئی کہ بیوی بچوں سے تنگ کئے جانے سے یہ کام بہتر ہے-

ریوتا نے یہاں دونوں وقت ڈٹ کر کھاتے ہوئے بڑے شوق سے خدمات انجام دیں۔

ایک دن اسی خود اعتمادی نے اسے اس کا پھل بھی دیا۔

جب گاؤں کے سب لوگ سو گئے تو ماری مندر کے پرے ساکوا کے گھر کے سامنے کمبل

اوڑھ کر سب کی نظروں سے بچتے بچاتے دبے پاؤں کسی کو آتے ہوئے دیکھ کر ریوتا چوکنا ہو گیا۔ اُسے لگا جیسے کسی نے مونگ پھلیوں سے بھری بوری اپنی پیٹھ پر لاد رکھی ہے۔ پر اس شخص کو پکڑنے یا اسے آواز دینے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ اپنے لرزتے قدموں کو ہی آنکھیں بنا کر اس شخص کے پیچھے پیچھے چل پڑا اور بھٹی میں داخل ہو گیا۔ چور کو پکڑنے پر ہونے والے ہنگامہ سے گھبرا کر احتیاطاً وہ صحن میں بھونکتے ہوئے کتے کو سمجھانے میں مصروف ہو گیا۔ تاہم اس کے ذہن میں چور کو پکڑ ہی لینے کی ترکیبیں پیدا ہو رہی تھیں۔ اب چوری کا مال تو مالک کو ملنے سے رہا۔ اس لئے چور کے عوض اس کا ساتھ دینے والے گروہ کو ہی کیوں نہ پکڑ لیا جائے۔ اسی لئے اس نے بھٹی میں آنے جانے والوں پر کڑی نظر رکھنے کا فیصلہ کیا۔

اتنے میں پوائنٹ نمبر ایک: ایک لاغر آدمی کو اس نے بھٹی میں داخل ہونے کے بعد ایک عورت سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ عورت ادھیڑ عمر کی تھی۔ اُس عورت کو اس آدمی نے کم سے کم ایک سیر پھلیاں تو دی ہوں گی-

پوائنٹ نمبر دو: ایسا کہا جا سکتا ہے کہ ایک جوان لڑکا اور لڑکی ماری مندر گئے اور لوٹتے وقت دو افراد سے بڑھ کر تین ہو گئے۔ وہ تیسرا فرد گھنٹہ بھر گھر میں رُک کر ماری مندر لوٹ آیا۔ جب وہ آدمی بیڑی سلگانے لگا تو اس کے ہاتھ پر بندھی گھڑی چمکتی ہوئی نظر آئی۔ اور یہ ثبوت کافی اہم ہے۔ اس کا دھندلا سا چہرہ اس تحقیق کی جان ہے۔

ریوتا نے دل ہی دل میں یہ تانے بانے بُنے- جرم ثابت کرنے کے لئے یہ چار پوائنٹس کافی ہوں گے۔ اس کے بعد مزید پوائنٹ نہ سوجھ جانے پر ریوتا بھونکتے ہوئے کتے پر نظریں جمائے کھڑا رہا۔ کتا اب تلوے چاٹ رہا تھا۔

ماری مندر میں بھجن کی ریہرسل دم توڑ چکی تھی۔ اب وہاں خراٹوں کا راج تھا۔ آنکھیں بند کئے بغیر' جاگتے رہنے والے ریوتا پر' نیند ڈورے ڈال رہی تھی۔ آخر کار اپنی عقل کا بھرپور استعمال کر کے' ساکوا کے گھر کے باہر کی کنڈی چڑھا کر وہ ایک جگہ دبک ہو گیا۔ پر نیند کوسوں دور تھی۔ وہ اب سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔ دل ہی دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے کہ کل بڑی بڑی مونچھوں

والے کانسٹبل کو بھی خوب گالیاں دینے والا انسپکٹر یہاں آئے گا۔

پو پھٹنے کو تھی تو ریونا ساہوکار تپیا کے گھر گیا اور سوتے چوکیدار کو جگا کر کہا کہ وہ ساہوکار کو خبر کرے کہ ریونا نے چور اور مال دونوں کو پکڑ لیا ہے اور یہ کہ پولیس انسپکٹر کو لے کر فوراً موقع واردات پر پہنچ جائے۔ وہاں سے لوٹ کر پھر سے اس نے اطمینان کر لیا کہ دروازہ پر باہر سے کنڈی ٹھیک سے لگی ہے کہ نہیں۔ اب وہ انسپکٹر کا انتظار کر رہا تھا کہ جیپ اب آئی کہ تب آئی۔!

باب-7

کمزور دھوپ کے ساتھ ساتھ جیپ کی آواز آئی۔ ریونا نے یونیفارم ٹھیک کیا اور اٹینشن پوزیشن میں کھڑا ہو گیا۔ جیپ کے رُکتے ہی پیچھے سے چند کانسٹبل، بھاری بوٹوں کی آواز کے ساتھ کود پڑے۔ سامنے سے انسپکٹر اُتر آیا۔ جیپ کے رُکنے کی آواز کے ساتھ ہی آس پاس کے چند لوگوں نے جھانک جھانک کر دیکھا۔ ریونا نے انسپکٹر کو زبردست سلام کیا۔ صاحب نے ریونا کو یوں دیکھا جیسے مرغی اپنی چونچ میں کیڑا پکڑنے سے پہلے دیکھتی ہے۔

''جا تیری اکھڑتی سانسوں کا صلہ مل گیا۔ تیرا مقصد زندگی پورا ہو گیا۔''

انسپکٹر نے دفعدار ریونا سے کہا

ساتھی کانسٹیبل، حیرت و استعجاب سے دیکھ رہے تھے۔ ریونا مبہوت سا کھڑا رہا۔

''کہتے جاؤ۔'' انسپکٹر نے ریونا کو حکم دیا۔

''سوامی''۔ ریونا نے نہایت ادب سے کہا۔ ''چور اور چوری کا مال دونوں گھر کے اندر ہیں۔ میں نے رات بھر ان پر نظر رکھی ہے۔ میں جاگتا ہی رہا ہوں۔''

دوسرے ہی لمحے، دوسرے دفعدار اور کانسٹیبل دروازہ پر ٹھوکروں کی بارش کرنے لگے۔ تب

تک اکٹھا لوگ کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر اپنی آنکھیں مل مل کر حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان بوٹوں کی ٹھوکروں سے ساکوا کی نیند اُچٹ گئی۔ اسے لگا جیسے اسے لات ماری جا رہی ہے۔

''کون حرامی دروازہ پیٹ رہا ہے۔ تیرے ہاتھاں ٹوٹو۔'' ساکوا نے یہ کہتے ہوئے دروازہ کھولا۔ سامنے یمدوت کے فرشتے کانسٹیبل کی شکل میں کھڑے تھے۔ وہ گھبرا گئی، سانس یکدم پھولنے لگا۔

''کیا ہے سوامی۔'' اس نے کانپتے ہوئے پوچھا۔

اس کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے پولیس والے گھر کے اندر دھڑا دھڑ داخل ہو گئے۔

پتہ نہیں ساکوا کے حواس کہاں کھو گئے۔ انسپکٹر نے گھر کے اندر کا مکمل جائزہ لیا۔

''بڑھیا بول تیرے لڑکے کہاں ہیں؟'' انسپکٹر نے ساکوا سے سخت لہجے میں پوچھا

ساکوا نے کانپتے ہوئے کہا۔ ''سوئے ہوئے ہیں سوامی''

کالنا کی بیوی کی آنکھ کھلی۔ اس نے روزن سے دیکھا مگر ڈر کے مارے شوہر کو جگانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اور ادھر سنیا اپنی گردن باہر نکال کر سوچنے لگا کہ اب کیا کیا جائے۔ انہیں اندر آنے دوں یا روک دوں۔ اس کا سر نظر آتے ہی دفعدار ریونا نے تمسخرانہ انداز میں سب کی توجہ مبذول کرائی۔ ''دیکھو دیکھو اس کے جھانکنے کا انداز دیکھو۔''

''ابے باہر نکل۔'' اور سنیا نے محسوس کیا جیسے اسے رسیوں سے کس کر باہر گھسیٹا جا رہا ہے۔ وہ فوراً باہر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا بچہ رونے گا۔ چلو وما، اسے ایک ہاتھ سے سہلا رہی تھی اور دوسرے ہاتھ سے دل تھام رہی تھی کہ یہ کیا ہو گیا۔

انسپکٹر نے سنیا کو ایسے دیکھا جیسے ابھی اُسے بھون ڈالے گا۔

''وہ یہی ہے سر۔'' ریونا نے انسپکٹر سے کہا۔

دفعدار پاؤں پٹک کر متصل گھر میں جا گھسا۔ وہاں کالنا بے خبر سو رہا تھا۔ اس کی بیوی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ دفعدار نے کالنا کو لاٹھی ٹھونس کر جگایا۔ کالنا کی بیوی کو رونا آ گیا۔ جب دفعدار نے اپنا پاؤں زمین پر زور سے پٹکا تو کالنا کی بیوی کا رونا یکلخت بند ہو گیا۔ وہ کانپ اٹھی۔ کالنا گھبرا کر جاگ پڑا۔ اور اپنے سر پر پولیس والے کو دیکھ کر اس کا سر چکرا گیا۔ اس کے ہاتھ پیر جیسے شل